تفسیر موّاج کا اجمالی تعارف

پروفیسر محمّد اسلم

تفسیر بحر مواج کے مصنف، ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی رحمۃ اللہ دکن کے مشہور تاریخی شہر دولت آباد میں آٹھویں صدی ہجری کے نصف آخر میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم و تربیت دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ کے خلیفہ اور جانشین حضرت نصیر الدین چراغ دہلی علیہ الرحمہ کے دو نامور شاگردوں، مولانا خواجگی اور قاضی عبد المقتدر شریحی کی نگرانی میں ہوئی۔ جب امیر تیمور نے ۱۳۹۸ء میں برعظیم پاک و ہند پر حملہ کیا تو اس کے دہلی پہنچنے سے پہلے مولانا خواجگی اور مولانا شہاب الدین دولت آبادی دہلی سے مشرق کی طرف روانہ ہو گئے۔

مولانا خواجگی نے تو کالپی میں سکونت اختیار کی اور مولانا شہاب الدین دولت آبادی نے جونپور کا رخ اختیار کیا۔ سلطان ابراہیم شرقی نے جونپور میں ان کا شاہانہ استقبال کیا اور انہیں ملک العلماء کا خطاب دے کر اپنی ریاست کا قاضی القضاۃ مقرر کیا۔

مؤرخ شہیر فرشتہ کی روایت ہے کہ شاہی دربار میں ان کی نقرئی کرسی شاہی تخت کے برابر لگائی جاتی تھی۔ ایک بار ملک العلماء شدید بیمار ہوئے تو سلطان ابراہیم ان کی عیادت کو گیا، اس موقع پر اس نے پانی کا ایک پیالہ ان پر تصدق کر کے پیا اور یہ دعا کی کہ اگر ان کی عمر پوری ہو چکی ہے، تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی عمر انہیں لگا دے۔

مولانا شہاب الدین کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ انھوں نے کافیہ کی شرح، شرح الہندی کے عنوان سے تحریر کی۔ ان کی تحریر کردہ شرح اصول بزدوی کا ایک مخطوطہ مولانا ابوالکلام آزاد کے ذاتی کتب خانے میں موجود تھا۔ علم الکلام کے موضوع پر ان کی تصنیف العقائد الاسلامیہ قرون وسطیٰ میں برعظیم پاک و ہند کے دینی حلقوں میں بڑی مقبول تھی، اس تصنیف کا ایک مخطوطہ رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے۔ عربی نحو پر ان کی ایک تصنیف الارشاد کے عنوان سے حیدر آباد دکن سے طبع ہو چکی ہے۔ اسی طرح قصیدہ بانت سعاد کی شرح بھی حیدر آباد سے چھپ چکی ہے۔

مولانا شہاب الدین نے فتاویٰ کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا تھا، جو انہوں نے سلطان ابراہیم شرقی کے نام معنون کیا تھا۔ سلطان کے نام کی مناسبت سے یہ فتاویٰ ابراہیم شاہی کہلاتا ہے۔

مناقب السادات کے عنوان سے انہوں نے آل رسول ؐ کے فضائل و حقوق پر ایک کتاب مرتب کی تھی جس کا ذکر سٹوری نے اپنی تصنیف "پرشین لٹریچر" میں کیا ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے تاریخ مدینہ منورہ بھی قلمبند کی تھی جس کے نسخے مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب نے ان کی ایک تصنیف بدائع البیان کا ذکر بھی کیا ہے۔

ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی کی سب سے اہم تصنیف قرآن حکیم کی تفسیر ہے جو بحر مواج کے نام سے مشہور ہے۔ بدقسمتی سے یہ تفسیر ابھی تک اہل علم کی توجہ کا مرکز نہیں بنی۔ اس تفسیر کا ایک ضخیم مخطوطہ جو الحمد سے لے کر الکہف تک کی تفسیر پر مبنی ہے، انڈیا آفس لائبریری لندن میں محفوظ ہے اور اس کی مائیکروفلم میرے پاس موجود ہے۔

الکہف سے لے کر والناس تک کی تفسیر پر مبنی مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ کے کتاب خانے میں موجود ہے۔ ان دونوں کو ملا کر یہ تفسیر مکمل ہو جاتی ہے۔

سورۂ جن سے لے کر والناس تک کی تفسیر گذشتہ صدی کے اواخر میں چھپ گئی تھی۔ اور بعض کتاب خانوں میں اس کے نسخے موجود ہیں۔

تفسیر بحر مواج کی ضخامت اندازاً تین ہزار صفحات ہے۔ یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ برعظیم پاک و ہند میں فارسی زبان میں اس سے زیادہ ضخیم تفسیر نہیں لکھی گئی۔

قاضی شہاب الدین دولت آبادی کا شمار برعظیم پاک و ہند کے اولین مفسرین میں ہوتا ہے۔ موصوف شیخ علی مہائمی صاحب تبصیر الرحمٰن کے ہم عصر ہیں۔

شیخ علی المہائمی شافعی المذہب تھے اور ان پر تصوف کا غلبہ تھا۔ جبکہ قاضی شہاب الدین حنفی المذہب تھے۔ اور صوفیہ کی صحبت میں رہنے کے باوجود ان کی تفسیر میں تصوف کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آتی۔ موصوف جار اللہ زمخشری کے بڑے مداح تھے۔ اور بحر مواج میں الکشاف کے حوالے برابر دیے چلے جاتے ہیں۔

قاضی شہاب الدین ہر سورۃ کی تفسیر کرنے سے پہلے اس کی آیتوں اور حرفوں کی تعداد بھی بتاتے ہیں۔ انہوں نے تفسیر کے آغاز میں اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ اختلاف قرأت کے مسئلہ میں موصوف اہل مکہ و مدینہ کی پیروی کرتے ہیں کیونکہ قرآن ان ہی دو شہروں میں نازل ہوا تھا۔ لہٰذا وہاں

کے باشندوں کی قرأت ہی مستند ہو گی اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی تھی۔ سورہ الفاتحہ کی تفسیر کے آغاز میں انہوں نے اس پر بڑی بحث کی ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم داخل سورۂ فاتحہ ہے یا نہیں۔ امام شافعی اور امام احمد ابن حنبل کے نزدیک تسمیہ داخل سورہ الفاتحہ ہے۔ لیکن امام مالک اسے داخل سورۃ تسلیم نہیں کرتے۔ مالک کی یہ رائے ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بسم اللہ ہر سورۃ کے آغاز میں لکھی گئی ہے۔ امام اعظم اور صاحب الکشاف بھی بسم اللہ کو داخل سورہ فاتحہ نہیں مانتے البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم قرآن پاک میں شامل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّہٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ ۝ وَاِنَّہٗ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ ہر سورۃ سے قبل بسم اللہ پڑھنے سے دو سورتوں میں فرق واضح ہو جاتا ہے۔

قاضی شہاب الدین نے کئی صفحات اس بحث کی نذر کر دیے ہیں۔

قاضی شہاب الدین شرقی حکومت کے قاضی القضاۃ تھے۔ اس لیے ان پر قانون اسلامی اور فقہ حنفی کا غلبہ تھا۔ موصوف آیات سے مسائل فقہ استنباط کرتے ہیں۔

سورۂ فاتحہ کی تفسیر کے آغاز میں قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ فاتحہ کی شکل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں دعا کی تعلیم دی ہے۔ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی تفسیر لکھتے ہوئے انہوں نے قرآن حکیم کی ان تمام آیتوں کے حوالے دیے ہیں، جہاں جہاں ربوبیت کا ذکر آیا ہے۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا ترجمہ موصوف نے مالک روز جزا و سزا کیا ہے۔

قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ بعض قراء میں مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی قرأت پر اختلاف ہے چند قراء مالک کی بجائے مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بھی پڑھتے ہیں۔ قاضی صاحب نے ملک کے معنی بھی درست تسلیم کیے ہیں تاہم وہ لکھتے ہیں کہ مالک پڑھنے سے ایک لفظ بڑھ جاتا ہے۔ اور تلاوت قرآن پر ہر لفظ کی دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اس لیے ملک کی جگہ مالک پڑھنے سے دس نیکیاں اور مل جائیں گی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ صراطِ مستقیم سے مراد دینِ اسلام اور شریعتِ محمدی ہے اور اہلِ سنت اسی پر چلتے ہیں۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ سے مراد نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کا راستہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ آیت بھی نقل کردی ہے جس میں ارشاد ہوا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِیْنَ۔

قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ دراصل اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کا بدل ہے۔ دعا میں مقصود اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کی راہ ہے، مغضوب علیہم کا راستہ غیر مقصود ہے۔ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ مغضوب علیہم سے مراد یہود اور الضالین سے نصاریٰ مراد ہیں یہود اس لیے بھی مستحق عذاب ہوئے۔ کہ ان بدبختوں نے یہ کہا تھا۔

اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَاۗءُ

ان ہی بدنصیبوں کا یہ قول ہے۔

یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ۔

ان آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہود اللہ تعالیٰ سے بغض رکھتے تھے، اسی لیے غضبِ الٰہی کے مستحق قرار پائے۔ نصاریٰ مسلمانوں سے عداوت رکھنے کی بناء پر الضالین ہوئے۔ وہ راہِ راست سے بھٹک کر توحید چھوڑ بیٹھے اور تثلیث کے قائل ہوگئے۔

آمین، داخلِ سورت نہیں ہے، یہ مجاہد کا قول ہے۔ آمین دراصل دعا کی قبولیت کی درخواست ہے۔ یہ سریانی اور عبرانی کا لفظ ہے۔ آمین اسی طرح داخلِ سورہ الفاتحہ نہیں جس طرح اعوذباللہ من الشیطٰن الرجیم داخلِ فاتحہ نہیں، حالانکہ ہمیں تلاوت سے قبل تعوذ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ باعظمت اور عظیم الشان سورۃ ہے۔ یہی سبعاً من المثانی ہے یہی سورۃ شفا ہے۔ یہ معانی و مفہوم کے اعتبار سے پورے قرآن کے برابر ہے، یہ سورت خدا تعالیٰ کے جلال و جمال کی مظہر ہے۔ اس کا مطلع احسن المطالع اور اس کا مقطع احسن المقاطع ہے۔ اس کا مطلع الحمد سے شروع ہوتا ہے اور حمد کا استحقاق صرف اللہ کو ہے، کیونکہ وہی پروردگارِ عالم ہے۔ مقطع میں اصحاب انعام آئے ہیں جیسے اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ، غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّاۗلِّیْنَ۔ اس میں ان اللہ والوں کا ذکر ہے جو انعام یافتہ ہیں

سورۂ بقرہ قرآن حکیم کی سب سے طویل سورۃ ہے۔

سورۂ بقرہ سے ۵۰۰ احکام مستنبط ہوتے ہیں صرف آیات مداہنت میں ۱۵ حکم ملتے

ہیں۔ اس سورت کے علاوہ اور کہیں قرآن حکیم میں بقرہ کا ذکر نہیں آیا۔ اس لیے یہ تخصیص ہے اور اسی وجہ سے اس کا نام سورۃ البقرہ پڑا ہے۔

بعض لوگوں نے اپنی غلطیاں چھپانے کے لیے یہ مشہور کر دیا ہے "خطائے بزرگان گرفتن خطاء است"۔ میں اس خطا کا ارتکاب کرتے ہوئے دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ یہاں قاضی صاحب کو سہو ہوا ہے۔ سورہ البقرہ کے علاوہ بھی سورۂ یوسف میں سبع بقرات کا ذکر آیا ہے۔ اس لیے بقرہ کا ذکر صرف سورۃ البقرہ سے مختص نہیں ہے جیسا کہ قاضی صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔

سورۂ بقرہ کا سورۂ فاتحہ سے ایک ربط ہے۔ سورۂ فاتحہ میں ہم نے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کہہ کر طلب ہدیٰ کی تھی۔ سورۂ بقرہ میں هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ کہہ کر صالحین کا راستہ سمجھا دیا گیا ہے۔ سورۂ فاتحہ کے آخر میں مومنوں اور کافروں کا ذکر آیا تھا۔ سورۂ بقرہ میں ان کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ کے مصداق اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کا جواب ان الفاظ میں دیا ہے۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ۔ الخ۔ سورۂ البقرہ کا آغاز کتاب کی مدح سے ہوا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ۔ اس سورت میں يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ کا خطاب عمومی ہے۔ جہاں يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا آتا ہے۔ وہاں یہ خطاب خصوصی ہو جاتا ہے۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً، میں بعض مفسرین کے نزدیک زمین پر رہنے والے فرشتے ہیں اور خطاب صرف ان سے ہی تھا۔ آدم چونکہ زمین پر اللہ کا خلیفہ تھا اس لیے خطاب بھی ملائکہ ارضی کو ہوا ہے، ملائکہ آسمانی کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو زمین پر آدم کو نائب بنانا مقصود تھا۔ اس لیے ملائکہ ارضی پر ان کو فضیلت دینا تھی۔ ملائکہ ارضی اپنی عبادت، طہارت اور لطافت کی بنا پر خود کو خلیفۃ اللہ سمجھے بیٹھے تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنی خلافت کو بچانے کے لیے مستقبل میں متوقع خطرے کا اظہار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ اَنْبَا کا مطلب آدم جانتا تھا۔ ملائکہ ارضی نہ جانتے تھے۔ حالانکہ وہ اپنی دانست میں غائب کا علم رکھتے تھے۔ اور اسی بنا پر وہ آدم کی فطرت بیان کر چکے تھے۔ جب ان سے اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَاۤءِ کہا گیا تو معلوم ہوا کہ غائب تو کیا وہ تو حاضر کا علم بھی نہیں رکھتے۔

قاضی صاحب نے اس موضوع پر دل کھول کر بحث کی ہے جس سے ان کی شانِ علمی کا اظہار ہوتا ہے

قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے سُبْحٰنَکَ لَاعِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا کہہ کر اپنے علم کے محدود ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ قاضی صاحب نے سبحٰنک پر بڑی عالمانہ بحث کی ہے اور اسی ضمن میں ان فرشتوں کا بھی ذکر کیا ہے جن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ ملائکہ ارضی نے تخلیق آدم پر یہ اعتراض کیا تھا۔

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ تو ملائکہ عرشی یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہہ کر اس کی تلافی کر رہے ہیں۔

ابلیس جن تھا یا فرشتہ۔ اس پر بحث کرتے ہوئے قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اسے فرشتہ مانا ہے لیکن راسخون فی العلم کہتے ہیں کہ وہ جن تھا، کیونکہ قرآن حکیم میں ایک جگہ وَکَانَ مِنَ الْجِنِّ آیا ہے۔ اس کے جن ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ خود اس نے اپنے بارے میں کہا تھا۔

وَخَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ

اس کے بعد قاضی صاحب بحث کا رخ موڑتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اگر وہ جن تھا، تو وہ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ کے خطاب میں آتا ہی نہیں تھا اس لیے جو لوگ اسے فرشتہ مانتے ہیں وہ اسے اس خطاب میں شامل کرتے ہیں لیکن حق بات یہ ہے کہ وہ جن تھا لیکن اکابر فرشتوں کے زمرے میں شامل ہو گیا تھا۔ فرشتوں نے آدم کو جو سجدہ کیا تھا، وہ سجدۂ تحیہ تھا۔ یہ سجدہ امم سابقہ میں رائج تھا۔ جیسا کہ سورۂ یوسف میں مذکور ہے، لیکن شریعت محمدیہ میں یہ سجدہ منسوخ ہے۔ قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ بعض مفسرین نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ فرشتوں نے آدم کو منبر پر بٹھایا اور منبر کو اپنے کندھوں پر اٹھایا۔ سب سے پہلے جبرئیل اور میکائیل نے۔ ان کے بعد اسرافیل اور عزرائیل نے آدم کو سجدہ کیا۔ اس کے بعد تمام فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا۔

میری ناقص رائے میں یہاں قاضی صاحب یہ بھول گئے ہیں کہ یہ چاروں فرشتے آسمانی ہیں ارضی نہیں، پہلے وہ ملائکہ آسمانی کو سجدہ سے مستثنیٰ کر چکے ہیں ان کے خیال میں یہ حکم صرف ملائکہ ارضی کو دیا گیا تھا۔ لیکن اس موقع پر انہوں نے ملائکہ آسمانی کو بھی سجدے میں شامل کر دیا ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ کی تفسیر کرتے ہوئے قاضی شہاب الدین تحریر فرماتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ اس ماہ میں قرآن حکیم لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر آیا اور پھر

آہستہ آہستہ ۲۳ برسوں میں آنحضرتؐ پر نازل ہوا۔ اس ماہِ مقدس میں پہلے پہل دس آیتیں نازل ہوئیں اور اس کا افتتاح شب قدر میں ہوا۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ ماہ رمضان میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر آیا اور شب قدر میں آنحضرتؐ پر نازل ہوا۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ کی تفسیر کرتے ہوئے قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ درحقیقت حضرت عمرؓ کی پریشانی دور کرنے کے لیے نازل ہوئی تھی موصوف ماہ رمضان میں رفث الی النساء کے قائل نہ تھے۔ اور ان سے کوئی چُوک ہوگئی تھی جس پر وہ پریشان اور پشیمان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کرکے ان کی پشیمانی دور کردی۔

قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ کا تعلق اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ کے ساتھ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔ کی تفسیر قاضی صاحب نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے الفاظ میں کی ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس کی تفسیر قاضی صاحب کے الفاظ میں کی ہے میں تو یوں کہوں گا۔

متفق گردید رائے بوعلی با رائے من

قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ انفاق کا حکم کسب حلال میں سے دیا گیا ہے کسب حرام میں سے نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ۔

اس لیے کسب حرام میں سے صدقہ وخیرات اللہ کے ہاں قبول نہیں ہے۔ ایسی کمائی اور خیرات کے لیے اللہ تعالیٰ نے صاف صاف کہہ دیا ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ

یعنی اسے خبیث مال کی ضرورت نہیں ہے۔

میری ناقص رائے میں جو سمگلر، بلیک مارکیٹئے سیٹھ اور کالا دھن کمانے والے تاجر کسی دینی مدرسے کے مہتمم صاحب کے ہاتھ میں رقم تھما کر دعا کی درخواست کرتے ہیں، ان کی خیرات اور مہتمم

صاحب کی دعا اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتی۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ طیبات سے مراد وہ مال ہے جو مستطاب طبع ہو۔ اسے دیکھ کر خوشی ہو۔ وہ دل کو عزیز اور طبیعت کو مرغوب ہو۔ وہ مال حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ کی ذیل میں آتا ہو۔ خبیث مال وہ ہے جسے دیکھ کر طبیعت مسرور نہ ہو، وہ مکروہ اور مبغوض ہو۔

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَفَضْلًا۔ کی تفسیر کرتے ہوئے قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ شیطان تمہیں انفاق سے روکے گا، وہ تمہیں ڈرائے گا کہ مال خرچ کرنے سے تم غریب ہو جاؤ گے۔ وہ تمہیں مال جمع کرنے کے لیے فواحش کی ترغیب دے گا۔ اس ذیل میں کسب حرام کے تمام وسائل آجاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہاری مغفرت ہو اور اس کا فضل تمہارے شامل حال رہے۔ یہ اس کی راہ میں، اس کی خوشنودی اور رضا کے لیے مال خرچ کرنے سے ہی ممکن ہے۔ صرف سورہ البقرہ کی تفسیر ۲۸۰ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

سورہ آل عمران کی تفسیر بیان کرنے سے پہلے قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کا ربط سورہ بقرہ سے ہے۔ ان دونوں سورتوں میں مومنوں اور کافروں کا انجام، دونوں سے اللہ کا وعدہ اور ذکر غزوہ وجہاد با دشمنان اسلام مذکور ہیں۔ سورۂ بقرہ میں حضرت آدم کی بغیر ماں باپ کے تخلیق کا ذکر آیا ہے۔ تو سورۂ آل عمران میں حضرت عیسیٰ کی بغیر باپ کے پیدائش کا ذکر مرقوم ہے۔ ان دونوں سورتوں میں آیاتِ مباہلہ، اقوال نصاریٰ کا رد اور اہل کتاب کو خطاب موجود ہیں۔ اسی طرح ان دونوں سورتوں میں اہلِ ایمان کو صبر کی تلقین کی گئی ہے اور تقویٰ پر زور دیا گیا ہے۔

(بقیہ قرآن عظیم کی زبان)

(۱) خِزْیٌ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ ط

(۲) وَمَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی، فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا ۝ (الاسراء ۷۲)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الامین ۔